# تکبر اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں بلکہ وہ عاجزی کو پسند کرتا ہے

(خطبہ جمعہ فرمودہ 4/ اکتوبر 1974 بمقام مسجد اقصیٰ ربوہ)

تشہد و تعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور انور نے فرمایا:-

پچھلے مہینے خطبات کا جو سلسلہ میں نے شروع کیا تھا اس میں مَیں نے بتایا تھا کہ جو مذہبی فیصلہ ہوا ہے اس کے متعلق جماعتِ احمدیہ مجھ سے دو ۲ سوال پوچھ رہی ہے۔ ایک تو یہ کہ اس فیصلہ پر میرا تبصرہ کیا ہے اور دوسرا یہ کہ اس فیصلہ پر ہماری جماعت کا ردِ عمل کیا ہوگا؟ میں نے اس وقت بتایا تھا کہ جہاں تک تبصرہ کا سوال ہے شاید دو تین ہفتہ کے بعد میں تبصرہ کروں لیکن اب میں بڑے غور اور دعا کے بعد اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ میں ابھی یہ تبصرہ نہ کروں بلکہ آئندہ جنوری یا فروری میں تبصرہ کروں جہاں تک ردعمل کا تعلق ہے اس سلسلہ میں دو ۲ خطبے میں پہلے دے چکا ہوں، تیسرا آج دے رہا ہوں۔

میں نے بتایا تھا کہ اسلام ایک نہایت ہی حسین اور ہر لحاظ سے کامل اور مکمل شکل میں ”حق“ کا یعنی اللہ تعالیٰ کا تصور ہمارے سامنے پیش کرتا ہے۔ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نوعِ انسان کے لئے توحید کا جو پیغام لائے اور آپ نے بنی نوعِ انسان کے سامنے اسے جس شکل میں پیش کیا ہم نے اس کی معرفت اس زمانہ میں حضرت مہدی معہود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذریعہ حاصل کی۔ اس معرفت کے نتیجہ میں ایک طرف خدا تعالیٰ کی عظیم کبریائی کا احساس اور دوسری طرف اس کا ایسا حسن جلوہ گر ہوا جسے الفاظ میں بیان نہیں کیا جاسکتا۔ یہی وہ معرفت ہے جس کے نتیجہ میں ہمارے دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت پیدا ہوئی جس نے دو ۲ رخ اختیار کئے۔ ایک یہ کہ ہم جو احمدیت کی طرف منسوب ہونے والے ہیں ہر لحظہ اور ہر آن ڈرتے رہتے ہیں کہ کہیں اپنی کسی غفلت یا گناہ یا کوتاہی کے نتیجہ میں یا نافرمانی کی وجہ سے ہمارا محبوب ہم سے ناراض نہ ہو جائے۔ یہ کیفیت اس خشیت کی وجہ سے ہے جو ہر احمدی کے سینہ میں پائی جاتی ہے۔ دوسری طرف ہمارے دل میں ہر وقت یہ جوش اور جذبہ پیدا ہوتا رہتا ہے کہ ہم ایسے کام بجالائیں اور ہم سے ایسے افعال سرزد ہوں جو اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں صالحہ ہوں اور جن کے نتیجہ میں ہمیں اس محبت کا جواب ملے جسے اللہ نے ہمارے دل میں پیدا کیا ہے یعنی جو معرفت کے نتیجہ میں ہمارے سینوں میں پیدا ہوئی ہے، ہماری محبت کے جواب میں خدا تعالیٰ بھی ہم سے محبت کرنے لگے۔

میں نے اس سلسلہ میں اپنے پہلے خطبہ جمعہ میں بتایا تھا کہ جن اعمال سے یا جن باتوں سے انسان اللہ تعالیٰ کی ناراضگی مول لیتا ہے ان کا علم بھی ہمیں قرآن عظیم ہی سے مل سکتا ہے اور قرآن عظیم نے ہمیں یہ بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ ظلم سے پیار نہیں کرتا اور نہ ظالم سے پیار کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فساد سے پیار نہیں کرتا اور نہ فسادی سے پیار کرتا ہے اسلئے اللہ تعالیٰ نے ہمارے دلوں میں جو خشیت پیدا کی ہے وہ تقاضا کرتی ہے کہ ہم خود کو ظلم سے کلّی طور پر بچائیں اور ہم فساد کی کسی صورت میں شریک نہ ہوں اور اس داغ سے جو خدا تعالیٰ کا غضب مول لینے والا ہے یعنی فساد کا داغ وہ ہمارے اعمال پر اور ہماری روح پر نہ پڑے تا کہ ہم خدا تعالیٰ کی ناراضگی مول لینے والے نہ ہوں۔

غرض میں نے اپنے پہلے خطبہ میں صرف انہی دو ۲ باتوں کو بیان کیا تھا اور دوسرے خطبہ میں میں نے دو باتیں وہ بیان کی تھیں جن کے متعلق قرآن عظیم نے بتایا ہے کہ جو لوگ ایسے اعمال بجالاتے ہیں اللہ تعالیٰ ان سے پیار کرتا ہے۔ گویا پہلے دو ۲ اعمال ایسے ہیں جن کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ نفرت کرنے لگتا ہے، اس کا غضب بھڑکتا ہے اور دوسرے دو ۲ اعمال ایسے بتائے تھے جن کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ پیار کرتا ہے۔ آج میں پھر پہلیخطبہ والے مضمون کی طرف لوٹتا ہوں لیکن چونکہ میری طبیعت میں کمزوری ہے اس لئے مختصراً صرف ایک بات بیان کرنے کی کوشش کروں گا۔

خشیت اللہ جس چیز سے ہمیں باز رکھتی ہے یا قرآن کریم کی رو سے اللہ تعالیٰ جس بات سے ناراض ہو جاتا ہے اور نفرت کرنے لگتا ہے وہ ہے تکبر۔ یعنی عاجزی کا فقدان گویا کسی آدمی کا مختلف شکلوں میں خود کو بڑا سمجھنا یا خود کو دوسروں سے بلند قرار دینا تکبر ہے مثلاً کسی کے پاس بہت پیسہ ہوتا ہے جس کی وجہ سے اس کے دل میں غرور اور تکبر پیدا ہو جاتا ہے یا کسی کے پاس سیاسی اقتدار ہوتا ہے وہ (بعض اوقات) متکبر بن جاتا ہے۔ کسی کے پاس علم ہوتا ہے یا کسی کو مہارت حاصل ہوتی ہے جو اسے متکبر بنا دیتی ہے وغیرہ وغیرہ۔ بیسیوں باتیں ہیں جن کے نتیجہ میں بعض دفعہ انسان تکبر کرنے لگتا ہے تاہم ہر علم، ہر سیاسی اقتدار، ہر دولت، ہر جتھہ اور ہر جسمانی طاقت کے نتیجہ میں کبر نہیں پیدا ہوتا بلکہ خدا تعالیٰ کے بندے انہی چیزوں کی بدولت خدا تعالیٰ کے مزید فیوض کو حاصل کرتے ہیں لیکن دولت، اقتدار اور علم ومہارت کی وجہ سے بعض دفعہ تکبر بھی پیدا ہو جاتا ہے مگر اللہ تعالیٰ اسکو پسند نہیں کرتا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

إِنَّ الَّذِينَ كَذَّبُواْ بِآيَاتِنَا وَاسْتَكْبَرُواْ عَنْهَا لاَ تُفَتَّحُ لَهُمْ أَبْوَابُ السَّمَاء وَلاَ يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ

(الا عراف:41)

دوسری جگہ فرمایا:-

إِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْتَكْبِرِيْنَ

(النحل:24)

یعنی اللہ تعالیٰ تکبر کرنے والے سے پیار نہیں کرتا۔ وہ ایسے لوگوں سے نفرت کرتا ہے جیسا کہ سورۂ اعراف کی مذکورہ بالا آیت میں فرمایا کہ جو لوگ ہمارے احکام کو جھٹلاتے ہیں اور ہمارے نشانات سے اعراض کرتے ہیں اور وہ اس وجہ سے اعراض کرتے ہیں کہ وہ خود کو ان احکامات اور نشانات کے لانے والوں سے بڑا سمجھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں دوسری جگہ فرمایا ہے کہ جب رسول آتے ہیں اور ہمارے محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم تو سب سے بڑے رسول اور خاتم الانبیاء تھے تو یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہمارے جیسا انسان ہمارے اوپر روحانی حکومت چلانے آگیا ہے۔

پس خود لوگوں کا یہ تکبر اور فخر یعنی اپنے آپ کو دوسروں سے بڑا سمجھنا یا اپنے نفس کو ایسی عظمت دینا جو موجود ہی نہ ہو تصنّع سے یا میں کہوں گا حماقت سے۔ تصنّع سے تو لُغت نے کہا ہے اور حماقت سے ایسا سمجھنا تکبر کی حقیقت ہے یعنی آدمی خود کو کچھ سمجھ لے، یہ میرے نزدیک حماقت ہے۔ غرض خدا تعالیٰ کی طرف سے جو احکام نازل ہوں ان کے مقابلہ میں تکبر کرکے ان کا انکار کرنا یا قبول کرکے ان کے مطابق اعمال نہ بجالانا یہ تباہی کا موجب ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی نفرت کا باعث بنتا ہے۔ ہم جو احمدی ہیں ہمیں سارے کے سارے احکامات یعنی اوامر و نواہی حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ ملے ہیں اور وہ قرآن عظیم میں بیان ہوئے ہیں۔ یہ وہ کتاب ہے جس کی عظمت کا انسانی عقل احاطہ نہیں کر سکتی اور جس کے معانی پر انسانی علم پوری طرح حاوی نہیں ہو سکتا۔ اس آخری ہدایت اور ابدی شریعت نے ہمیں وہ تمام احکام دیئے جو انسان کو جسمانی اور روحانی طور پر انتہائی رفعتوں تک پہنچانے والے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی یہ اعلان فرمایا کہ خدا کے مقرب بندے میرے لائے ہوئے احکام یعنی میری شریعت اور ہدایت پر عمل کرکے پہلوں کی نسبت بہت زیادہ تعداد میں بھی اور قرب میں بھی اللہ تعالیٰ کی محبت کو پائیں گے۔ اللہ تعالیٰ کی محبت اور قرب یہ تقاضا کرتا ہے کہ انسان خدا تعالیٰ سے پیار کی باتیں سنے کیونکہ ایک ایسا ”پیار“ یا پیار کے حصول کا ایک ایسا دعویٰ جس کے لئے کوئی دلیل نہ ہو، بے معنی دعویٰ ہے۔ یہ انسان کی فطرت میں ہے کہ جب وہ کسی سے پیار کرے تو اس سے گفتگو بھی کرے۔ یہ بات انسانی فطرت میں داخل ہے کہ جب وہ کسی سے محبت کرتا ہے تو وہ یہ بھی چاہتا ہے کہ اس کا محبوب اس سے پیار اور گفتگو کرے۔

فطرت کی پہلی آواز کہ جس سے انسان پیار کرے اس سے باتیں بھی کرے، دعا ہے۔ اسلام نے دعا کرنے کا حکم دیکر ہمیں ایک عجیب چیز عطا کی ہے۔ انسان اپنے خدا سے دعا کرتا ہے اور وہ ایک ایسی ہستی ہے جس کی معرفت تو ہمیں حاصل ہوتی ہے لیکن بوجہ اس کے کہ وہ اپنے وجود اور اپنی کیفیت میں اتنا مختلف ہے کہ ہماری آنکھ اسے دیکھ نہیں سکتی اسلئے وہ اپنی صفات کی تجلیات سے خود کو شناخت کرواتا ہے وہ اپنے نشانات ظاہر کرتا ہے۔ یہ نشانات ہمیں بتاتے ہیں کہ یہ حسن، حسنِ ازلی کا ہے۔ جس طرح پھول پسِ پردہ ہوتے ہوئے بھی خوشبو سے اپنی شناخت کروا دیتا ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ اپنے نشانات سے اپنے وجود کا پتہ دیتا ہے۔ آجکل کے جو رنگ برنگ گلاب کے پھول نظر آتے ہیں ان میں خوشبو نہیں ہوتی لیکن دیسی گلاب میں خوشبو ہوتی ہے یا اسی طرح کے اور کئی پھول ہوتے ہیں جن کی خوشبو ہوتی ہے۔ اگر اس قسم کے پھولوں کے باغ کے پاس سے آپ گزریں جس کی چاردیواری 6۔7 فٹ اونچی ہے آپ کی نظر اندر نہیں جاتی، آپ ان پھولوں کو دیکھ نہیں سکتے لیکن آپ کا ناک آپ کو بتا دے گا کہ یہاں یہ پھول ہے مثلاً موتیا ہے یا چنبیلی ہے وغیرہ حالانکہ آپ نے اس کو دیکھا نہیں ہوتا۔

پس وہ خدا جو انسان کو نظر نہیں آتا اور نہ آسکتا ہے وہ اپنے نشانات سے اپنے وجود کا پتہ دیتا ہے۔ وہ اپنے نشانات سے اور اپنے پیار سے اپنے حسن واحسان کی خبر دیتا ہے۔

میں اس وقت بتا یہ رہا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کی معرفت کے بعد انسان کے دل میں اپنے پیدا کرنے والے خدا کے لئے محبت جوش مارتی ہے، اس محبت کا تقاضا ہے کہ خدا اس سے باتیں کرے، اس کے لئے اسلام نے ہمیں دعائیں سکھائیں اور ہمیں دعا کرنے کی تعلیم دی۔ دعا کرنے کی تعلیم کے نتیجہ میں ہم اپنی زبان میں ٹوٹے پھوٹے الفاظ میں بھی اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر ہونے کی اجازت پاتے ہیں۔ اسلام نے ہمیں اور بہت سی دعائیں سکھا دیں، ایسی عظیم دعائیں کہ انسان حیران ہو جاتا ہے۔ وہ ایک قسم کے نشانِ راہ ہیں۔ وہ علامات ہیں جو ہمیں بتاتی ہیں کہ خدا کے حضور جا کر انسان پناہ لے۔ ایک طرف ہمیں یہ دعا سکھا دی رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اے خدا! ہم جو بھی تیرے حضور پیش کریں تو اسے قبول فرما اور ایک نبی کے منہ سے یہ کہلوایا: وَجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ ہمارے اسلام کو سلامت رکھ اور قائم رکھ۔ یہ کتنی بڑی دعا ہے جس میں یہ بھی بتا دیا گیا ہے کہ اسلام کی سلامتی کے لئے انسان خدا تعالیٰ کے حضور دعائیں کرنے کا محتاج ہے نہ کہ کسی اور کا۔ اور دوسری طرف حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنے بوٹ کا تسمہ بھی لینا ہو تو خدا سے مانگو۔ اب تو پتہ نہیں تسمے کی کیا قیمت ہے۔ میں نے خود کبھی تسمہ نہیں خریدا۔ جب ہم چھوٹے بچے تھے تو ایک آنے یا چھ ۶ پیسے کا تسمہ ملتا تھا۔ گو تسمے کی عمر جوتے سے چھوٹی اور بوٹ کی عمر تسمے سے بڑی ہوتی ہے اور پھر یہ بھی کہ بچے

کے ایک بوٹ کے لئے بعض دفعہ ماں باپ کو پانچ پانچ، دس دس دفعہ تسمے خرید کر دینے پڑتے ہیں لیکن پھر بھی ہمیں یہی کہا گیا کہ اگر تمہیں اتنی چھوٹی چیز کی بھی ضرورت پڑے تو اپنے خدا سے مانگو۔ چھوٹی چھوٹی چیزوں کے لئے بھی تم خدا کے حضور جھکو اور دعا کرو کہ اے خدا! ہمیں فلاں چیز کی ضرورت ہے۔ اپنے فضل سے وہ ہمیں عطا فرما۔

میں نے بتایا ہے کہ جو شریعت آنی تھی وہ تو کامل اور مکمل شکل میں آگئی لیکن بعد میں قیامت تک کی آنے والی نسلوں کی پیاس تو نہیں بجھتی۔ ہر انسان کہتا ہے کہ میرا پیارا خدا مجھ سے کلام کرے تو اس کے لئے حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خدا تعالیٰ کا کلام دو ۲ قسم کا ہوتا ہے۔ ایک شریعت وہدایت کا حامل ہوتا ہے اور وہ آگیا ہے (اور کامل و مکمل ہو گیا ہے) وہ اب نہیں آئے گا اور ایک خدا کا کلام صرف بشارتوں پر مشتمل ہوتا ہے اور وہ قیامت تک آتا رہے گا کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا ہی فرمایا ہے۔ اس لئے محبت کا یہ حصہ تو دونوں طرف ہے ایک یہ کہ وہ پیار کرے اور بات کرے۔ خشیت اللہ محبت کی بنیاد بنتی ہے اور محبت تقاضا کرتی ہے اپنے محبوب سے باتیں سننے کا۔ ہمیں جو اسلامی شریعت ملی ہے اس میں کہیں بھی نہیں لکھا کہ خدا تعالیٰ کا کلام بند ہو گیا ہے بلکہ قرآن کریم ایسے ارشادات اور آیات سے بھرا ہوا ہے کہ خدا اپنے پیارے بندوں سے باتیں کرتا ہے۔ یہ انسانی فطرت ہے جس کا یہ تقاضا ہے کہ بندہ اپنے خدا سے دعا کرے اور وہ اپنے بندہ سے ہم کلام ہو۔ فطرت کا یہ تقاضا ویسے ہی ہے جیسے ایک ماں اپنے دو تین ماہ کے بچے کو کندھے سے لگائے باتیں کر رہی ہوتی ہے۔ ظاہر ہے دو ۲ تین ماہ کا بچہ تو ایک لفظ بھی نہیں سمجھتا تاہم اس سے یہ نہیں سمجھنا چاہیئے کہ ماں پاگل ہو گئی ہے اس لئے وہ چھوٹے بچے کے ساتھ باتیں کرتی ہے، ماں کو پتہ ہوتا ہے کہ بچہ باتیں نہیں سمجھتا لیکن ماں کو پتہ ہے کہ اس کے دل میں بچے کے لئے محبت ہے اور وہ محبت تقاضا کرتی ہے کہ وہ اپنے بچے سے باتیں کرے۔ اسی طرح خدا کے بندے خدا سے باتیں کرتے ہیں اور اسکی باتیں سنتے ہیں۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں اپنے بندوں کی دعائوں کو سنتا اور ان کا جواب دیتا ہوں۔ اب دعائوں کا سننا کوئی ایسا فلسفہ تو نہیں جس کیلئے کوئی دلیل نہیں یا جس کا کوئی ثبوت نہیں۔

پس خدا تعالیٰ اپنے بندہ کی دعا سنتا ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ جب انسان دعا کرتا ہے تو اس کا اسے جواب مل جاتا ہے ورنہ پھر تو ہماری دعا کا نتیجہ ایک بت کے سامنے دعا کرنے کے مترادف ہے۔ نہ بت بولے نہ خدا بولے (نعوذ باللہ) مگر قرآن کریم نے کہا کہ تم ان ہستیوں کی باتیں کرتے ہو جو تمہیں جواب تک نہیں دے سکتیں اور جو تمہاری دعائیں نہیں سن سکتیں اس میں یہ بتایا گیا ہے کہ یہ صرف خدا تعالیٰ ہی ہے جو انسان کی دعائوں کو سنتا اور جواب دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جو لوگ میری آیات کا انکار کرتے ہیں اور اپنے آپ کو بڑا سمجھ کر ہماری لائی ہوئی ہدایت یعنی قرآن عظیم جیسی ہدایت سے بھی اپنے آپ کو بڑا سمجھتے ہیں تو اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے: لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ أَبْوَابُ السَّمَاءِ ان پر آسمان کے دروازے کھولے نہیں جاتے، اس کا مطلب یہ ہے کہ جو لوگ قرآن کریم پر ایمان لاتے اور اس کی ہدایات کے مطابق اپنی زندگیوں کو ڈھالتے ہیں ان کے لئے آسمانوں کے دروازے کھولے جاتے ہیں۔ اس آیت سے بھی یہی نتیجہ نکلتا ہے لیکن ایک دوسری جگہ اللہ تعالیٰ واضح طور پر فرماتا ہے کہ وَلَوْ أَنَّ أَهْلَ الْقُرَى آمَنُواْ وَاتَّقَواْ لَفَتَحْنَا عَلَيْهِم بَرَكَاتٍ مِّنَ السَّمَاءِ وَالأَرْض (الاعراف:97) کہ اگر یہ بستیوں والے ایمان لے آتے اور تقویٰ اختیار کرتے تو آسمان اور زمین کی برکات ان کے اوپر کھول دی جاتیں۔ اللہ تعالیٰ کے فضلوں کے دروازے ان پر کھول دیئے جاتے۔ پس تکبر اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں اور جو اس کا الٹ ہے، اس کی ضد ہے۔ یعنی عاجزی وہ اللہ تعالیٰ کو پسند ہے۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ تم خدا تعالیٰ کے پیار کو حاصل کرنے لئے عاجزانہ راہوں کو اختیار کرو۔ آپ نے فرمایا:- "بدتر بنو ہر ایک سے اپنے خیال میں" یعنی اپنے آپ کو سب سے زیادہ عاجز سمجھو، سب سے زیادہ حقیر اور ساری دنیا کے نیچے سمجھو۔ اس سے تمہارا خدا تعالیٰ سے وصال اور پیار کا تعلق قائم ہو جائے گا۔

میں نے پہلے بھی کئی دفعہ بتایا ہے، ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی سواری پر بیٹھے بیٹھے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہوئے جھکنا شروع کیا۔ آپ کا سر جھکتا رہا، جھکتا رہا۔ یہاں تک کہ سواری کی کاٹھی پر جالگا، جس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کا سر اتنا جھک گیا کہ اس سے زیادہ جھک ہی نہیں سکتا تھا۔

پس جب حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حالت ہے تو وہ لوگ جو خود کو آپ کے غلاموں کے بھی غلام سمجھتے ہیں ان کا مقام تو نہایت عاجزی کا مقام ہے۔ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت سے اور آپ کے مقابلہ میں حضرت مہدی علیہ السلام کا مقام احقر الغلمان کا ہے اور ہماری نسبت سے حضرت مہدی معہود علیہ السلام کا مقام حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عظیم تر روحانی فرزند کا ہے یعنی ایک ایسا سالار جس کے زمانہ میں حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئیوں اور خدا تعالیٰ کے وعدوں کے مطابق ساری دنیا میں اسلام نے غالب آنا ہے۔ ہمارے مقابلہ میں حضرت مہدی علیہ السلام کا بڑا اونچا مقام ہے لیکن حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں حضرت مہدی علیہ السلام نے خود اپنے مقام کی تعیین احقر الغِلمان کی کی ہے اور میں سمجھتا ہوں اور اس یقین اور معرفت پر قائم ہوں کہ کہ اگر حضرت مرزا غلام احمد قادیانی علیہ الصلوٰۃ والسلام حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس قسم کا عاجزانہ رشتہ قائم نہ کر سکتے جو انہوں نے قائم کیا تو وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کامل ظِلّ اور کامل

انعکاس نہ بن سکتے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کامل انعکاس بنانا یا آپ کی پوری تصویر پورے خدوخال کے ساتھ نمایاں طور پر اپنی زندگی میں ظاہر کرنا کامل عاجزی کو چاہتا ہے جس کا مطلب ہے کہ اپنے نفس کا ایک دھبہ بھی اس کے اوپر نہ پڑے۔ جو شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع نہیں کرتا اور کامل طور پر عاجزانہ راہوں کو اختیار نہیں کرتا، اور کچھ دیتا ہے اور کچھ اپنے پاس رکھ لیتا ہے اس کا شیشہ ایسا ہی ہے جیسا کہ برسات کے موسم میں بعض خراب شیشوں کے پیچھے جب نمی چڑھتی ہے تو اس میں دھبے آجاتے ہیں لیکن جب حضرت مہدی معہود علیہ السلام نے اپنا سب کچھ مٹا دیا اور کامل طور پر فنافی الرسول کا مقام حاصل کیا تو اس وقت آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کامل ظل اور کامل انعکاس بنے۔ پس حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں حضرت مہدی علیہ السلام کا مقام احقر الغلمانؔ یعنی کامل عاجزی کا مقام تھا اور جو ہمارے ساتھ آپ کا رشتہ ہے، وہ ہم سمجھتے ہیں کہ عقلاً بھی حکماً بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب روحانی فرزند کی حیثیت سے ہے۔ حکم سے میری مراد ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو خبر دی ہے وہ ہمارے لئے حکم ہے کہ مہدی معہود علیہ السلام حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سب سے پیارے اور بہادر اور محبوب روحانی فرزند اور اسلام کے جرنیل ہیں۔ آپ اس امت کے جرنیل ہیں اس لئے کہ امت مسلمہ میں ہم سے پہلے جو بزرگ گزرے ہیں، ان سب نے اس بات پر اتفاق کیا ہے کہ مہدی علیہ السلام کے زمانہ میں اسلام ساری دنیا کے انسانوں کو حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کے جھنڈے تلے جمع کر دے گا۔ تمام ادیان باطلہ پر اسلام کا کامل غلبہ مہدی علیہ السلام کے زمانہ میں مقدر ہے۔ اس لئے مہدی علیہ السلام کی بڑی شان ہے لیکن بڑی شان ہے ہمارے مقابلہ میں کیونکہ آپ نے جو کچھ لیا ہے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے لیا ہے۔

پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت آپ کا مقام احقر الغلمان ہے اور ہماری نسبت سے آپ کا مقام بڑا بلند ہے۔ بہر حال جو بات میں اس وقت آپ کے ذہن نشین کرانا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ ہمارا اس واقعہ پر ہی ردعمل نہیں بلکہ زندگی کے ہر واقعہ پر ہمارا ردعمل ایسا ہوتا ہے اور ایسا ہونا چاہیئے کہ جس میں اپنے نفسانی جوش کا شائبہ نہ ہو اور جس میں تکبر اور فخر اور غرور بالکل نہ ہو اور انسان یہ سمجھے کہ میں نیست ہوں۔ میں لاشیٔ محض ہوں۔ جب تک اللہ تعالیٰ کا فضل شاملِ حال نہ ہو میرا اپنا ہے ہی کچھ نہیں اور اگر آپ (احمدیوں) کی زندگی کا سہارا اللہ تعالیٰ کا فضل ہو اور آپ کو اس حقیقت کا احساس ہو تو پھر آپ کو کسی اور چیز کی کیا ضرورت باقی رہ جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ایسا ہی بنا دے۔

(روزنامہ الفضل ربوہ 2/نومبر 1974ء صفحہ 2 تا 5)